شاہ ولی اللہ کا نظریۂ تقلید

محمد صغیر حسن معصومی

تقلید کا عام مفہوم کسی کی رائے پر چلنا اور عمل کرنا ہے۔ عام طور پر اپنے عادات و اطوار، کردار و اخلاق میں بچے اپنے والدین، اپنے گھر والوں، اپنے آس پاس کے رہنے والوں کے عادات و اطوار کو اپناتے ہیں۔ ظاہری چال چلن میں نیکوں کی صحبت یا بدوں کی ہمنشینی کا انسان پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ اور یہ بالکل فطری بات ہے کہ انسان اپنے ماحول کا اثر قبول کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بچہ اپنی طبعی حالت پر پیدا ہوتا ہے اور اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔

عقل و شعور کے حامل انسان سے اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ وہ خیر و شر میں تمیز کرے، اپنے خالق، مالک و رازق کو پہچانے، اس کے اوامر و نواہی کو سمجھے، اور ان کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرے۔ اس کے لئے لازم ہے کہ احکامِ نبوی کی پیروی کرے، اور اس بارے میں اول اول اپنے سے زیادہ جاننے والے، اپنے استاد، اپنے معلّم کی تقلید کرے۔ اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کے لئے اپنے آباؤ اجداد کی جو برابر قرآن و حدیث کے مطابق عمل کرتے رہے ہیں، پیروی کرنا ضروری اور لابدی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی تعلیم کے ساتھ صحابۂ کرام کی تربیّت اور ان کو اسلامی اور قرآنی احکام کا پابند بنانے کے لئے معلّم یا قاری مقرر فرمائے۔ یہ معلم نئے مسلمانوں کو دین کے ارکان کی تعلیم دیتے تھے۔ قرآن حکیم سکھاتے اور یاد کراتے تھے۔ پھر نماز روزے اور اسلامی طرزِ زندگی کی نگہداشت کی ہدایت کرتے رہتے تھے۔ آپس کے معاملات، خرید و فروخت،

لین دین، کھانے پینے اور چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے نیز گفتگو اور ملاقات کرنے کے آداب بھی سکھاتے تھے۔ صحابہ کرامؓ اپنے معلّموں اور قاریوں کا احترام کرتے تھے، اور ان کی پیروی کو خدا و رسولؐ کی اطاعت سمجھتے تھے۔ یہی مفہوم ہے آیت پاک: "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم" کا، غرض اطاعتِ باری تعالیٰ اور اطاعتِ رسولؐ کے لئے کسی ذی علم، صاحبِ بصیرت اور صاحبِ عمل کی تقلید نہ صرف ضروری بلکہ واجب اور فرض ہے۔

جس تقلید کی مذمت کی جاتی ہے وہ درحقیقت چوپایوں کی سی تقلید ہے کہ ایک بھیڑ ایک طرف کو جاتی ہے تو گلے کی ساری بھیڑیں اس کے پیچھے ہولیتی ہیں، اس بات کی پروا نہیں کرتیں کہ اس طرف خطرے سے امن بھی ہے یا نہیں۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے علم و بصیرت سے نوازا ہے، فہم و شعور عطا کیا ہے، اس لئے اسے ایسے شخص کی تقلید کرنی چاہیئے جس سے دین و دنیا دونوں جہان کی سعادت حاصل ہو، ایسے لوگوں کی تقلید نہ کرے جو غیر شرعی باتوں کی طرف لے جائیں۔ غیر اسلامی امور کی تقلید نہ کرے، دھوکے سے کسی غلط آدمی کو اپنا مقتدا نہ بنالے اس لئے انبیاء کی اطاعت و تقلید فرض ہے اور کفار و منافقین کی تقلید حرام اور ایسے لوگوں کی تقلید جن کو شریعت کے ظاہری احکام کی بجا آوری سے سروکار نہ ہو ناجائز ہے۔

عہد صحابہؓ سے اسلام ہر طرح کے لوگوں میں سرعت کے ساتھ پھیلتا گیا۔ اہل عجم نہ عربی زبان سمجھتے تھے، نہ قرآن پاک پڑھ سکتے تھے۔ الفاظ و آیات کے تلفظ میں طرح طرح کی غلطیاں کرتے تھے۔ صحابہ کرام جہاں بھی رہے ان کی تصحیح کرتے رہے، قرآن پاک کی تعلیمات کی تشریح فرماتے رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال، افعال و اقوال کو بیان کرتے رہے، بعد میں معاملات کے طریقوں میں بڑی وسعت رونما ہوئی، اور تنوع پیدا ہوا، مختلف قسم کے لوگوں کو طرح طرح کے نئے معاملات پیش آئے۔ صحابہ کرامؓ قرآن و سنت اور اپنی اسلامی بصیرت سے ان کی رہنمائی کا فرض انجام دیتے رہے۔

صحابہ کرامؓ کے بعد تابعین جو صحابہؓ کے شاگرد تھے، اپنی سمجھ کے مطابق اور اپنے علم و دانش کی روشنی میں لوگوں کی رہنمائی کرتے رہے اور یہی فریضہ آنے والی نسلیں ادا کرتی رہیں۔ مگر افراد مختلف ادوار میں مختلف قوتوں کے حامل تھے، تیز و ہشیار دُور اندیش اور فکر بلند رکھنے والے،

ہر طرح کے لوگ تھے۔ چنانچہ بعض صحابہ دوسروں سے بعض حیثیت سے فایق تھے اور خود صحابۂ کرامؓ کو دوسرے اجلۂ صحابہ کی علمی فضیلت، فہم و فراست کا اعتراف تھا۔ حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت اُبی بن کعبؓ، حضرت ابن عباسؓ وغیرہ قرآن فہمی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و احکام کے سمجھنے میں یدطولیٰ رکھتے تھے، اور عہد صحابہؓ میں اکثر ان سے علمی مشورے لئے جاتے تھے، اور ان کے فیصلوں کو سارے صحابہ تسلیم کرتے تھے۔ سلف صالحین، ائمہ مجتہدین، فقہاء اور علمائے دین کا ابتداء عہد سے یہی طریقہ رہا ہے۔ اور اس قسم کی تقلید و اطاعت کو جس کا مقصد قرآن حکیم اور سنت رسولؐ کے مطابق عمل کرنا ہے، ہرگز ہرگز مذموم و قبیح نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ یہ تو ایمان کا تقاضا ہے۔

تعلیم و تربیت کی غرض و غایت یہی سمجھی جاتی ہے کہ اچھے لوگوں کی، اچھے امور میں تقلید کی جائے۔ ٹیلیویژن، ریڈیو، اخبارات و رسائل جیسے ذرائع نشر و اشاعت کی ترویج نے دیکھتے دیکھتے سارے عالم کو مغربی ثقافت اور غیر اسلامی تہذیب و تمدن کا گرویدہ بنا دیا، اور آج تقلید کی بُرائی صرف اس لئے کی جاتی ہے کہ قدیم خیال اور اسلامی تہذیب کے حامل اگلے لوگوں کی طرح اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے ہیں۔ نئی تہذیب و ثقافت کے دلدادہ چاہتے ہیں کہ قدامت پرستی کی تقلید مذموم ٹھہرائی جائے اور جدت اختیار کی جائے۔ لوگ نئی زندگی، نئے طریقے، بے حیائی، بے شرمی اور بے راہ روی اختیار کریں۔ تاکہ غیر مسلم اقوام کے آگے مسلمان بھی ترقی پسند، ترقی یافتہ اور علم و دانش میں فائق سمجھے جائیں۔ آج لوگوں میں یہ احساس تک باقی نہیں رہا کہ ایسی باتوں کو اختیار کرنا خود نہایت مذموم قسم کی تقلید ہے جس کی وجہ سے بچوں سے لے کر ذمہ دار طبقے تک طرح طرح کی برائیوں کا شکار ہوگئے ہیں۔ لوٹ مار، قتل و غارت، عصمت فروشی، عصمت دری، بداخلاقی، بدقماشی، چوربازاری، دست درازی بے ایمانی اور بے شرمی کے لوگ آج اس قدر خوگر ہو گئے ہیں کہ اپنی بداعمالیوں کو تیزی، طراری، چالاکی، ترقی، روشن ضمیری، جرأت و بہادری جیسے شخصی فضائل اور خوبیوں کی جگہ سمجھنے لگے ہیں۔ ادب و ثقافت کے نام سے آج دنیا میں بے ادبی و رذالت کی تبلیغ و تشہیر ہو رہی ہے چونکہ ہمارے اسلاف کے تاریخی کارنامے، فقہاء کے فیصلے اور مسائل کے حل تعلیمات قرآن و

تعلیمات نبوی کی روشنی میں علوم اسلامیہ کے تحت محفوظ کر لئے گئے ہیں، جو آجکل فرنگی ومغربی افکار وتخیلات سے کسی طرح ہم آہنگ نہیں، اس لئے انہیں "اساطیر الاوّلین"، "تقویم پارینہ" 'تعصب و فرقہ بندی کے محرکات، جیسے ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور تعمیر و ترقی کے منافی سمجھا جاتا ہے۔ یہ حال کچھ اس بیسویں صدی ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ ہر زمانے میں شروفساد کے حامی انھی ہتھیاروں سے اپنی مقصد براری میں کام لیتے رہے ہیں۔

ارباب حل وعقد قوموں کی ترقی کے اصولوں سے چشم پوشی کرتے ہوئے زوال کے اصلی اسباب کی تشخیص کرنے اور ان کا علاج کرنے کی بجائے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور قوم کی مجموعی منفعت اور مفاد کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں اور اس طرح امتِ مسلمہ کے مختلف گروہ اپنے قائدین کی غلطیوں اور غلط کاریوں کے خمیازہ میں اپنی طاقت و ترقی کھو بیٹھتے ہیں اور دوسرے گروہ برسر اقتدار آتے رہتے ہیں۔ جب مختلف فرقوں اور گروہوں کی بربادی ہو چکی ہو تو امت کی پستی بحیثیت مجموعی اور پسماندگی لابدی ہو جاتی ہے۔ قومی شیرازہ جب بالکل بکھر جائے، تو پھر اصلاح کے لئے صرف ایک ہی طریقہ اسلام نے بتایا ہے۔ وہ یہ کہ از سرِ نو توحید کا غلغلہ بلند کیا جائے، ایمان درست کیا جائے اور خشیت الٰہی و تقویٰ کو ہر امر میں راہ دی جائے اور پوری طرح "اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول" پر مسلمان کاربند ہوں اور بجائے دوسری طاقت ور قوموں کی تقلید کرنے کے اپنے اسلاف، صحابۂ کرامؓ اور خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید کی جائے تاکہ زندگی کے ہر شعبے میں خود غرضی، نفس پرستی اور نفسانی خواہشات کو جگہ دینے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی ہر کوشش کو وقف کر دیا جائے۔ اور اپنے ساتھ پوری امت کے منافع کا خیال رکھا جائے۔ مگر آج انسانیت خود انسانی ترقی کی بھینٹ چڑھ چکی ہے۔ اپنی آسائش اور اپنی حفاظت و تن آسانی کے لئے لوگ اپنے کو قربان کرنے کی بجائے ساری دنیا کو قربان کر رہے ہیں۔ اور ایثار کی جگہ دوسرے کے حقوق کی پائمالی مقصد حیات بن گئی ہے۔ علمی فراوانی اور طاقت کی بہتات قوموں اور ملکوں کی تسخیر کے کام آرہی ہے۔ ان امراضِ مزمنہ کا علاج اسلام نے صرف اپنی یعنی قرآن حکیم کی پیش کردہ تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کو بتایا ہے۔

بارھویں تیرھویں صدیوں میں جب برصغیر ہندو پاک میں سلطنتِ مغلیہ کے زوال کی رفتار تیز ہوگئی اور انگریز تاجروں کی حکمتِ عملی حکومت میں تبدیلی ہونے لگی، تو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس کی طرف توجہ دلائی۔ ان کی پیدائش ۱۱۱۴ھ میں دہلی میں ہوئی۔ عنفوان شباب میں علومِ اسلامیہ وعقلیہ کے ساتھ عملی تربیت سے فراغت حاصل کی۔ اور اپنے والد ماجد شاہ عبدالرحیم کے مسند درس پر متمکن ہوئے۔ کچھ دنوں کی تدریس کے بعد حجاز تشریف لے گئے اور مزید علوم حدیث و قرآن کی تعلیم حاصل کی۔ اس سفر مبارک سے آپ کے علم و تجربے میں بے حد اضافہ ہوا اور آپ کے دل میں تڑپ پیدا ہوئی کہ اہلِ اسلام کی اصلاح کی جائے۔ غیر اسلامی عادات ورسوم جن کے خوگر اس دیار کے مسلمان امتداد زمانہ سے ہوگئے ہیں ان کو صحیح اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ بنایا جائے۔ شاہ صاحب نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے علمی اور عملی کوششوں کو بروئے کار لانا شروع کیا۔ مرہٹوں کی قوت کے استیصال کے لئے احمد شاہ ابدالی کو دعوت دی گئی۔ کچھ ایرانی سرداروں کی حکمتِ عملی سے اثنا عشری عقائد کو فروغ ہوا۔ مقامی رسوم وعادات کے ساتھ ایرانی رسوم وعقائد کی ترویج ہو چکی تھی۔ بنا بریں آپ نے قرآن حکیم کے فارسی ترجمہ کے ساتھ ضروری فوائد کی تشریح و توضیح سے اپنے اصلاحی منصوبے کا آغاز کیا۔ خلوص و رواداری سے آپ نے اپنا کام شروع کیا تھا اس لئے فرقہ وارانہ عصبیت کا زور بھی آپ کو اپنے نیک ارادوں سے باز نہ رکھ سکا۔

قرآن پاک کی زبان کو سمجھنے اور قرآنی احکام کی تفصیلات کو جاننے کے لئے آثار، افعال و اقوالِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھنا ضروری تھا، اس لئے آپ نے امام مالکؒ کی مؤطا کو جو عالمِ اسلام کی اوّلین تالیف ہے اور جس میں ایک بڑی حد تک آثار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محفوظ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، آپ نے سب سے پہلے امت کے آگے پیش کیا، عربی عبارت کی توضیح کے ساتھ فارسی زبان میں ترجمہ و تشریح پیش کی، تاکہ علمی ذوق کے ساتھ صحیح جذبۂ ایمانی پیدا ہو، اور غیر اسلامی اثرات سے اپنے کردار کو اہل اسلام مبرا و منزہ بنائیں۔ پھر صحاح ستہ سے فقہاء کے فیصلوں اور قضایا

کو پرکھنے کا طریقہ بتایا۔ امام غزالیؒ کی طرح جنھوں نے صوفیاء کرام اور حکمائے اسلام کے افکار و خیالات کو اسلامی سانچے میں ڈھال کر اصلاحی اور تطہیری کارنامے انجام دیئے تھے، شاہ صاحب نے بھی احکامِ دین کے رموز و اسرار بیان کئے۔ حجۃ اللہ البالغہ میں آپ نے علمی اصلاح کے ساتھ فلسفۂ دین، معاشیات اور تعلیمات اسلامی کے نکات و برکات کی وضاحت پیش کی۔ اور البدور البازغہ میں اعتقادی و فکری اصلاح کی غرض سے انسانی طبائع، دینی و مذہبی افکار و تخیلات، انسانی عقائد اور مبدأ و معاد کی تشریح بسط سے کی۔

فلسفۂ ادیان اور فلسفۂ دین اسلام کی تشریح کے ساتھ شاہ صاحب نے قرآن پاک اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر بڑا زور دیا ہے۔ اور یہی درحقیقت اسلام کی روح اور قرآن کا اصلی منشا ہے۔ کیونکہ صرف عقائد سے اخلاق کی درستگی نہیں ہو سکتی، اور نہ اطاعت کا ظہور ہو سکتا ہے۔ عمل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان اوصاف کو اختیار کیا جائے جن کی تشریح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال سے صحابۂ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین کی وساطت سے ہوتی ہے۔ تفقہ فی الدین جس کا حکم قرآن پاک میں آیا ہے، عمل ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرّاء اور دعاۃ مختلف قبائل میں بھیجتے تھے تاکہ وہ ان کو تعلیم دیں، اور جس طرح قبائل اپنے معلّمین و قراء کی تعلیم کے مطابق احکام دین کی پیروی کرتے تھے اسی طرح صحابۂ کرامؓ کے مختلف مقامات میں سکونت پذیر ہونے پر ان مقامات کے لئے یہ صحابہ کرامؓ راہنما اور معلّم بن گئے تھے اور لوگ ان کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کرتے تھے۔ اسی طرح تابعین مختلف شہروں اور مقامات میں لوگوں کے لئے امام و مقتدا کے مقام پر فائز تھے۔ تابعین اور صحابہؓ کے افعال و اقوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اور عمل کے مطابق تھے۔ اسی لئے ان کی اطاعت درحقیقت رسولؐ کی اطاعت تھی۔ ان احادیث و آثار نبوی کو جاننے اور ان کے مطابق عمل کرنے کے لئے کوئی دوسرا ذریعہ نہیں تھا۔ چونکہ صحابہ کرامؓ نے مختلف زاویوں سے مختلف اوقات اور مختلف مقامات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حرکات و سکنات، اقوال و احکام، عبادات و معاملات کے طریقوں کو دیکھا تھا، نیز یہ حضرات مختلف قویٰ اور مختلف درجے کے علم و فہم کے مالک تھے، اس لئے ان کے بیانات اور تشریحات میں اختلافات کا رونما

ہونا ناگزیر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بسم اللہ زور سے پڑھنے اور آہستہ پڑھنے، رکوع و سجود کے بعد ہاتھ اٹھانے اور نہ اٹھانے اور اسی طرح کے دوسرے اعمال کی مختلف روایتیں صحابہ کرام سے مروی ہیں۔ بیع و شرا کے معاملات کی تفصیلات میں بھی اختلاف کے ساتھ آثار مروی ہیں۔ ان اختلافات پر شدت سے عمل پیرا ہونا، اور ان کو اصل دین سمجھنا عقل سے بعید ہے، اور ایک کو صحیح اور دوسرے کو سختی سے غلط بتانا جہل مرکب اور گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دین کو آسان بتایا ہے۔ آسان کا مطلب نہ تو یہ ہے کہ، نعوذ باللہ کسی فعل کا استخفاف کیا جائے اور نہ یہ مطلب ہے کہ اپنے طریقۂ کار کو صحیح اور دوسرے مسلک والوں کے طریقۂ کار کو غلط سمجھا جائے۔ عمل میں اختلاف کا رونما ہونا ضروری اور طبیعی ہے۔ مثلاً ایک اچھے قاری کی قرأت دوسرے قاری یا معمولی لکھے پڑھے کی قرأت سے ضرور مختلف ہوگی۔ اختلاف کی نوعیتیں بھی مختلف ہوں گی۔ تلفظ میں، حسن اداء میں، آیات کی قرأت کی مدت میں، غرض ہر طرح کا اختلاف پایا جانا ممکن ہے۔ انسانی افراد مختلف خصوصیتوں کے حامل ہیں۔ اور اپنے اپنے ذاتی صفات اور مدارج عقل و فہم کے مطابق عبادات و معاملات میں مختلف سلوک، عادات و اطوار طرقِ ادا وغیرہ میں لازمی طور پر ایک دوسرے سے متمیّز ہوتے ہیں۔ لوگوں کی عقیدت مندی بھی ضروری نہیں کہ ایک ہی فرد کے ساتھ ہو۔ بنا بریں مجتہدین کرام کی کوششوں اور فقہی آراء و اجتہادی مسائل کو یہ کہہ کر ترک نہیں کیا جا سکتا کہ یہ باتیں نہ قرآن سے ثابت ہیں نہ احادیثِ رسولؐ سے۔ اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی تصانیف اختلاف و تشتت کی حامل ہیں، اس لئے ان میں درج فتوؤں اور فیصلوں کو کالعدم قرار دیا جائے۔ ایسا کہنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ آج اگر ہم فقہ کے ان روایاتی کارناموں کو پسِ پشت ڈال دیں تو یقینی طور پر ہم قرآنی تعلیمات سے دُور اور بہت دُور جا پڑیں گے اور سنتِ نبویؐ کی روح سے بالکل بیگانہ ہوجائیں گے۔ جتنے افراد ہوں گے، اتنی ہی تعبیریں قرآنی الفاظ کی کی جائیں گی اور دین بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب مذاہب اربعہ کی تقلید کو سارے عالمِ اسلام کے لئے ضروری قرار دیتے ہیں۔ اور ایمان و ہدایت کی سلامتی کے لئے کسی ایک مذہب کی، اور

اپنے لئے حنفی مذہب کی، تقلید کو ضروری سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ صحیح طور پر قرآنی احکام اور سنتِ رسولؐ کی پیروی صدیوں بعد ممکن نہیں جب تک کہ سلفِ صالحین کے طریقوں پر نہ چلیں۔ امام شافعیؒ امام اعظمؒ کی قبر پر فاتحہ پڑھنے جاتے ہیں اور نماز کا وقت ہو جاتا ہے تو حنفی طریقے پر نماز ادا کرتے ہیں۔ نہ رفعِ یدین کرتے اور نہ 'آمین' بالجہر کہتے ہیں۔ وہ امام اعظمؒ کی عظمت کا احترام کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کے نزدیک سنتِ رسولؐ اسی طرح ثابت ہے۔ اسی طرح امام اعظمؒ ابوحنیفہ امام مالک کی اقتداء کرتے ہیں تو انہی کے طریقے کے مطابق سنتِ نبوی کی پیروی کرتے ہیں۔

شاہ صاحب ائمۂ اربعہ میں امام اعظمؒ کے مذہب کو اس لئے ترجیح دیتے ہیں کہ ان کے یہاں مختلف آراء خود ان کے شاگردوں سے احادیث نبوی و آیاتِ قرآنی کی روشنی میں پایۂ ثبوت کو پہنچی ہیں، جن کو بقیہ تینوں مجتہدین کی کسی نہ کسی رائے سے ضرور مطابقت ہو جاتی ہے۔ بالفاظِ دیگر حنفی رہتے ہوئے چاروں ائمہ مجتہدین کے اقوال وقضایا کے مطابق عمل کرنا احاطۂ امکان میں داخل ہے۔ اور یہ بہترین طریقہ ہے کہ ائمۂ مجتہدین میں سب سے بڑے راہنماؤں کے مطابق اصول اسلام پر چلنے کی کوشش کی جائے۔

عبادات نیز تفصیلی اور جزئی معاملات میں مختلف رائے رکھنے والے ائمہ و مجتہدین کبھی ایک دوسرے کو برسرِ غلط نہیں سمجھتے اور نہ خلاف کرنے والے کو طریقۂ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔ اختلافِ مذاہب صرف استدلال و وجہِ ترجیح کا نتیجہ ہے، 'تمرّد' تکاثر یا تکبر کا نتیجہ نہیں۔ ائمہ اپنے اپنے علم و اجتہاد و واقفیت کی بنا پر مختلف آراء کا اظہار خالصتاً لوجہ اللہ کرتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ دوسری تیسری صدی ہجری میں ایسے اسباب فراہم تھے کہ ان رایوں کی چھان بین کی جا سکی۔ روایتوں کے وضع کے امکانات بھی اس زمانے میں کم تھے۔ موضوع اور ضعیف روایتوں کی شہرت و پسندیدگی کے امکانات بھی کم تھے۔ اسناد کے سلسلے بھی معدودے چند تھے۔ متن، سند اور رواۃ کے متعلق بسہولت تحقیق و تفتیش، چھان بین کی جا سکتی ہے۔ اس لئے غلطی کے امکانات، غلط فہمی

کے خدشے، اور غلط بیانی کے مواقع نسبتاً بہت کم تھے۔ اور آج علم کی بنیاد، تحقیق و تفتیش کے وسائل، متون و اسناد پر غور و فکر کرنے کے ذرائع، سب کچھ انہی قرون اولیٰ کی تحریروں، کتابوں اور راویوں پر موقوف ہیں۔ ذوق اور ماحول کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ صحیح علم کی قلت، ادب کی کمی، اور قدیم ذخائر کی کمیابی، غیر اسلامی تہذیب و ثقافت کے گہرے اثرات، یہ ساری باتیں آج کے اُن اسلامی اجتہادات کو جن میں سلفِ صالحین اور ائمہ مجتہدین کے مذاہب و آراء سے اختلاف پایا جائے، مردود و باطل قرار دینے کے لئے کافی ہیں۔

آج تقلید کے منکرین خود اپنے اسلاف اور بزرگوں کی تقلید میں مقلدین اہل سنت والجماعت سے زیادہ تعصب کا اظہار کرتے ہیں، اور تقشف سے بری نہیں سمجھے جا سکتے۔ شاہ صاحب نے اپنی تقلید کو اسی لئے ضروری قرار دیا ہے کہ ائمہ مجتہدین کے تحلیلی احکام کی پیروی ہی میں سنتِ رسول[ص] اور احکامِ قرآن کی پیروی مضمر ہے۔ اور اس تقلید سے مقصود ہرگز و ہرآئینہ ائمہ مجتہدین کی بیجا عظمت و برتری نہیں۔ وہ انھیں قرآن و حدیث کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے استاد کا رتبہ دیتے ہیں اور اسی قدر ان کا احترام دلوں میں رکھتے ہیں، اور بزرگوں کے احترام سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین